مولوی احمد دین کا اقبال شناسی میں کردار

محمد شوکت علی
ڈاکٹر عطاء الرحمٰن میو

In this article, Maulvi Ahmad Din's contribution in Iqbal Studies has been presented. He was the first to introduce Iqbal's thought in Urdu. He was one of Iqbal's close friends. His book "Iqbal", is the first Urdu critical and research book on Allama Iqbal. The article under review also contains a research and critical review of his work. Maulvi Ahmad Din's knowledge of Iqbaliat as well as his other endeavors has been pointed out. He deserves a great place in Urdu literature. In the literary world, his efforts should be given importance, but he is still deprived of it. Along with Iqbal, Ahmad Din has also mentioned other poets of Urdu literature. He has also used Muhammad Hussain Azad's book Ab-e-Hayat. It focuses on Urdu poetry as well as love essays and other subjects. It is a mixture of Eastern and Western sciences. Here Ahmad Din has presented the views of Hali, Akbar and Iqbal. Iqbal is the poet who fully reflected his ideas in the context of East and West. In his poetic impression of the present, Ahmad Din has considered the past, Akbar's presents and Iqbal as the future.

مولوی احمد دین ۱۸۶۶ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ان کے دادا کا نام عبدالرحمٰن لون اور والد کا نام ڈاکٹر اِلٰہ دین تھا۔ان کے دادا کشمیر سے ہجرت کر کے لاہور آئے تھے۔وہ کشمیری الاصل اور کشمیر کی قوم ''لون'' سے تعلق رکھتے تھے۔[۱] احمد دین کے والد سرکاری ملازم ہونے کی حیثیت سے مختلف شہروں میں مقیم رہے۔احمد دین کی ابتدائی تعلیم کا آغاز گجرانوالہ کی مسجد مکتب سے ہوا۔ کچھ عرصہ بعد ان کے والد کا تبادلہ لاہور میں ہو گیا اور احمد دین کو سنٹرل ماڈل سکول لاہور میں داخل کرا دیا گیا۔مشفق خواجہ، احمد دین کی تعلیم کے ضمن میں لکھتے ہیں:

یہاں سے انھوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔اس کے بعد وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ بی-اے تک تعلیم انھوں نے اسی کالج سے حاصل کی۔وہ انگریزی میں ایم-اے کرنا چاہتے تھے اور اس غرض سے انھوں نے مذکورہ کالج میں داخلہ بھی لے لیا تھا لیکن جلد ہی انھوں نے یہ ارادہ ترک کر دیا اور قانون کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی تکمیل کی۔اگر احمد دین نے سولہ برس کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کیا ہو، بیس برس کی عمر میں بی-اے کا، اور پھر دو برس مزید تعلیم میں صرف کیے ہوں تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۸۸۸ء میں تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔[۲]

مولوی احمد دین ایک ذہین طالب علم تھے۔انھوں نے بی-اے کا امتحان درجہ اوّل میں پاس کیا اور یونیورسٹی سے طلائی تمغہ بھی وصول کیا۔سر عبدالقادر کے نزدیک :ان کا شمار اپنے زمانے کے نامور طلبہ میں ہوتا تھا اور فراغت کے بعد بھی لاہور کے نامور وکلا میں شمار ہوتے تھے۔[۳] گورنمنٹ کالج میں احمد دین کو مولانا محمد حسین آزاد[۴] سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔آزاد بھی اپنے اس شاگرد سے متاثر تھے۔انھوں نے احمد دین میں ادبی ذوق وشوق کو پروان چڑھایا، جس سے ان کی ادبی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوا۔احمد دین کے ادبی ذوق نے انھیں ادبی محفلوں کی طرف راغب کیا اور وہ لاہور کی ادبی سرگرمیوں میں شرکت کرنے لگے۔۱۸۹۵ء میں حکیم احمد شجاع کے والد حکیم شجاع الدین نے ایک ماہانہ مشاعرے کی طرح ڈالی۔محفلِ مشاعرہ حکیم امین الدین کے مکان پر سجایا جاتا تھا۔پہلا مشاعرہ ۳۰/نومبر ۱۸۹۵ء کو منعقد ہوا جس کی روداد ماہانہ گلدستے ''شورِ محشر'' کے اوّلین شمارے میں شائع ہوئی۔[۵] لاہور کے دوسرے اہلِ علم اور شعرا کے ساتھ مولوی احمد دین بھی ان مشاعروں اور ادبی محفلوں میں شرکت کرتے رہے تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علامہ اقبال کی شاعری کا آغاز بھی یہیں سے ہوتا ہے۔مولوی احمد دین اس انجمن مشاعرہ کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> اُنیسویں صدی عیسوی کا آخری عشرہ نصف سے زیادہ گزر چکا تھا۔شہر لاہور کے بھاٹی دروازے کے اندر بازارِ حکیماں میں ایک مشاعرہ کی طرح ڈالی گئی۔مجلسِ مشاعرہ حکیم امین الدین صاحب بیرسٹر مرحوم کے مکان پر جو اُسی خاندانِ حکیماں کے ایک نامور رکن تھے، جن کے نام پر بازار مشہور ہے، منعقد ہوا کرتی تھی..........کالجوں کے نوجوان طالب علم بھی شعر گوئی اور شعر فہمی کے شوق میں چلے آتے تھے اور سخن دانی کی داد لینے اور دینے میں کسی سے پیچھے نہ رہتے تھے۔ان نوجوان مشتاقانِ سخن میں اقبال بھی تھے۔اقبال کے اشعار نے انھی دنوں میں اور اسی مجلس مشاعرہ میں لاہور والوں کی توجہ ان کی طرف دلائی۔[۶]

بازار حکیماں کے مشاعروں سے ہی علامہ اقبال کے ابتدائی سخن وری کے نقوش عیاں ہونے شروع ہوئے اور احمد دین کے ادبی ذوق نے بھی یہیں سے نمو پائی۔گویا اقبال اور احمد دین کے لیے یہ مشاعرے اور محفلیں بہت کارآمد ثابت ہوئیں۔یہاں اقبال اور احمد دین دونوں کے ادبی مسکن اور دوستی کی بھی نشان

دہی ہوتی ہے۔ علامہ اقبال، مولوی احمد دین کے حلقۂ احباب میں سے تھے اور ان کا حلقۂ احباب وسیع نوعیت کا تھا۔ اس ضمن میں مشفق خواجہ رقم طراز ہیں:

> احمد دین کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ سرفہرست علاّمہ اقبال تھے۔ جن دوسرے لوگوں سے تعلقات تھے، ان میں سر فضل حسین، خلیفہ نظام دین، حکیم شاہباز دین، مولوی محبوب عالم، خواجہ کریم بخش، حکیم امین الدین، شیخ گلاب دین، سید محمد شاہ وکیل، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ، رائے بہادر پنڈت درگا داس وکیل، سر عبدالقادر، سر محمد شفیع، چودھری شہاب الدین، رائے بہادر پنڈت جوالا پرشاد وکیل اور سردار ہرنام سنگھ (وکیل) تھے۔ [۷]

احمد دین کے حلقۂ احباب میں علامہ اقبال کی شخصیت نمایاں تھی اور انھوں نے اس ضمن میں علامہ کی شخصیت اور فن کو اجاگر کرنے کے لیے سب سے پہلے اردو میں علامہ پر کتاب ''اقبال'' ۱۹۲۳ء میں لکھ کر ثابت بھی کر دیا کہ وہ کس قدر اقبال شناسی کا ملکہ رکھتے تھے۔ احمد دین کی شخصیت کے حوالے سے بات کی جائے تو وہ بہت پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ وہ اپنے حلقۂ احباب میں دوسروں کے کام آنے والے، اپنے پرائے میں تمیز نہ کرنے والے، قدیم و جدید تہذیب و تقاضوں سے باخبر اور ہمدردی کے جذبے سے سرشار شخصیت کے مالک تھے۔ مولوی احمد دین کو لاہور سے بے حد لگاؤ تھا۔ یہاں کی تہذیبی قدروں سے انھیں پیار تھا اور لاہور سے باہر کم ہی تشریف لے جاتے تھے۔ وہ کشمیری الاصل تھے شاید اسی لیے عدالتوں کی تعطیلات کے دنوں میں ہر سال کشمیر کا رخ کرتے۔ لاہور میں انھوں نے مختلف جگہوں پر قیام کیا اس ضمن میں مشفق خواجہ یوں اظہار کرتے ہیں:

> لاہور میں پہلے پہل ان کا قیام سوتر منڈی میں تھا۔ پھر لوہاری منڈی میں رہے۔ بعدازاں بازار حکیماں میں لال حویلی کے سامنے کے مکان میں قیام کیا۔ آخر میں اسی بازار کی ایک ملحقہ گلی میں فقیر سیّد نجم الدین کے گھر کے عین سامنے ایک مکان میں منتقل ہو گئے اور اسی مکان میں ان کا انتقال ہوا۔ [۸]

مولوی احمد دین کو علم و ادب سے بے حد لگاؤ تھا۔ اردو زبان کے حوالے سے کئی تصانیف ہیں۔ انھوں نے ''سرگذشتِ الفاظ'' لکھ کر تحقیقِ الفاظ پر غور و فکر کیا اور اردو تنقید میں سائنٹفک اندازِ فکر کو فروغ دیا۔ انھوں نے کسی فن پارے کی قدر و قیمت کو جاننے کے لیے مصنف کی نجی زندگی، ماحول کے اثرات، ذہنی کیفیات اور معاشرتی رجحانات سے واقفیت کی ترجمانی کی۔ اُن کی تصنیف ''اقبال'' اردو میں علامہ کے فن کے بارے میں تجزیاتی طور پر اہم کاوش ہے اور تنقیدی رجحان کی علم بردار بھی۔ سوانح نگاری میں بھی احمد دین نے قابل قدر کام کیا۔ اس کے علاوہ وہ مترجم اور مضمون نگار کے طور پر بھی سامنے آئے۔ مضمون نگاری کے حوالے سے انھوں نے کئی اخبار و رسائل میں بھی خامہ فرسائی کی۔ بقول مشفق خواجہ:

احمد دین پیسہ اخبار، غم خوارِ عالم اور اردو اخبار سے وابستہ رہے ہیں۔ظاہر ہے انھوں نے ان اخباروں میں بہت کچھ لکھا ہوگا۔ممکن ہے اس زمانے کے دیگر اخبارات و رسائل میں بھی ان کے مضامین شائع ہوتے ہوں، لیکن اب یہ تمام سرمایہ ہماری دسترس میں نہیں ہے۔غم خوارِ عالم اور اردو اخبار کے شمارے تو شاید کہیں محفوظ ہوں۔ پیسہ اخبار نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔اس کے پرانے شماروں کی ورق گردانی سے احمد دین کے مضامین کا سراغ مل سکتا ہے۔[9]

احمد دین کی اولاد کے حوالے سے بات کی جائے تو انھوں نے دو شادیاں کی تھیں۔ان کی پہلی بیوی سے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں جب کہ دوسری بیوی سے چار لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ان میں تین بیٹے خواجہ ریاض احمد، خواجہ امتیاز احمد اور خواجہ اعجاز احمد اور ایک بیٹی محمودہ موجود ہیں اور باقی سب کا انتقال ہو چکا ہے۔خواجہ ریاض احمد تقریباً پینتیس برس تک اسلامیہ کالج لاہور سے وابستہ رہے ہیں۔خواجہ امتیاز احمد پنجاب آڈٹ ڈیپارٹمنٹ میں ڈائریکٹر تھے۔خواجہ اعجاز احمد محکمۂ امورِ حیوانات میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔یہ تینوں حضرات ملازمتوں سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔اسی طرح ان کے ایک صاحب زادے کا نام بشیر احمد تھا۔ مولانا غلام رسول مہر کے مطابق :مولوی بشیر احمد شیخ مبارک علی کے پاس برسوں کام کرتے رہے۔وہ بھی پیکر خلوص تھے ، بے مثال لطیفہ باز، کھانا پکانے میں ایسے مشتاق تھے کہ میں نے زندگی میں ویسا کوئی نہ دیکھا......تقسیم ہند سے کئی برس پیشتر وفات پائی۔احمد دین کے ایک بیٹے کا نام خواجہ نیاز احمد تھا۔انھوں نے پہلے وکالت کا پیشہ اختیار کیا، لیکن بعد میں محکمہ پولیس میں پراسیکیوٹنگ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے کام کیا۔احمد دین کے ایک بیٹے کا نام خواجہ سعید تھا جو اپنے والد کی طرح علم وادب کا شغف رکھتے تھے۔[10]

مولوی احمد دین نے وکالت ، صحافت کے ساتھ ساتھ علم وادب سے بھی شغف رکھا۔انھوں نے علامہ اقبال کے شعری اندازِ فکر اور اُن کے ذہنی ارتقا کو بڑے احسن طریقے سے اپنی تصنیف اقبال میں اجاگر کیا ہے۔ان کی تصنیف سر گزشتِ الفاظ بھی بہت اہمیت کی حامل ہے۔مشفق خواجہ کے مطابق مولوی احمد دین کی تصانیف درج ذیل ہیں۔جن کے بارے میں کم ہی اہل علم نے استفادہ کیا ہوگا۔

۱-ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب،۲- افواج دنیا ۱۹۰۱ء،۳-اسرار حرم ۱۹۰۳ء،۴-اقوام ترکی، ۵-عبدالقادر جیلانی، ۶-عربستان اور اہل عرب، ۷-مہد السلام ۱۹۱۰ء، ۸-ابو الفضل کی سوانح عمریاں، ۹-سوانح عمری حاتم طائی،۱۰-آسمان کی سیر، ۱۱-حیات ٹوڈرمل،۱۲-جلال الدین اکبر،۱۳-لیلیٰ یا محاصرۂ غرناطہ، ۱۴-دُرِ مکتوم یعنی حیات زیب النساء، ۱۵-مہاتما بدھ، ۱۶-شیرِ پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ، ۱۷-دوست محمد خاں، ۱۸-اسلامیات پر ایک نظر، ۱۹-سرگزشتِ الفاظ ۱۹۲۳ء، ۲۰-اقبال ۱۹۲۳ء/ ۱۹۲۶ء۔ان تصانیف کے علاوہ پانچ کتابیں ایسی بھی ہیں جن کے بارے میں تحقیق کی

ضرورت ہے کہ وہ مولوی احمد دین کی ہیں یا نہیں۔ وہ یہ ہیں: ۱- ملّا دو پیازہ، ۲- راجہ بیر بر، ۳- حیات نور جہاں اور جہانگیر، ۴- سوانح حضرت علی، ۵- مہاراجہ سیواجی مرہٹہ وغیرہ۔ [۱۱]

کثیر التصانیف ہونے کے باوجود مولوی احمد دین کو اردو ادب میں وہ مقام حاصل نہیں ہے جو ہونا چاہیے۔ ان کا نام اُردو ادب میں گمنام ہے۔ حالاں کہ انھوں نے علامہ اقبال کی شعری تخلیق بانگ درا کی منظومات پر سب سے پہلے کام کیا۔ لیکن وہ اس کام کو شایع کرنے میں جلدی کر گئے، ابھی علامہ کی کتاب منظر عام پر نہیں آئی تھی، بانگِ درا ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی جب کہ احمد دین کی تصنیف ۱۹۲۳ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔ جس پر بعض اعتراضات وارد ہوئے، اسے نذر آتش کیا گیا، لیکن اسی تصنیف کو بعد میں ۱۹۲۶ء میں بانگ درا کی اشاعت کے بعد دوبارہ شائع کر دیا گیا۔ یہ اقبال پر لکھی جانے والی اردو میں پہلی تصنیف تھی۔ اس تصنیف کو علامہ اقبال پر اُردو میں پہلی تنقیدی و تحقیقی نوعیت کا کام کہا جا سکتا ہے جس نے دوسرے اقبال شناسوں کے لیے راستہ ہموار کیا۔ مولوی احمد دین نے علامہ اقبال پر اپنی تصنیف اقبال لکھ کر اپنے آپ کو اقبال شناسوں کی فہرست میں شامل کر لیا۔ ان کے اس کام کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

حکیم احمد شجاع کے بیان کے مطابق، احمد دین زندگی کے آخری چند برسوں میں مسلسل بیمار رہے۔ پاؤں کے چنبل کی وجہ سے وہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ [۱۲] وہ فالج کے مرض میں بھی مبتلا رہے اور آخر کار وہ ۹/اکتوبر ۱۹۲۹ء کو اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔ انھیں لاہور کے میانی صاحب قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

اقبال مولوی احمد دین کی علامہ اقبال پر اردو میں لکھی جانے والی تصانیف میں پہلی کتاب ہے۔ جو پہلی بار ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی اور اس سے پہلے ابھی علامہ اقبال کا اپنا اردو میں کوئی شعری مجموعہ شائع نہیں ہوا تھا۔ اس تصنیف میں علامہ اقبال کے شعری مجموعے بانگِ درا کے کلام کو شامل کر لیا گیا تھا۔ جس پر علامہ نے احمد دین کی اس کاوش کو پسند نہیں کیا کیوں کہ ابھی ان کا اپنا کلام کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا تھا۔ علامہ اقبال کی برہمی پر مولوی احمد دین نے اپنی اس تصنیف کے تمام نسخہ جات نذر آتش کر دیے۔ یہاں بھی ایک دوست کی دوسرے دوست سے چاہت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ احمد دین کو اقبال سے کس قدر عقیدت تھی۔ انھوں نے اپنے دوست کی ناراضی پر اپنی اس کاوش کو گوارا نہیں کیا اور نذر آتش کر دیا۔ ۱۹۲۴ء میں علامہ اقبال کی تصنیف بانگِ درا شائع ہوئی۔ اس کے بعد مولوی احمد دین نے ۱۹۲۶ء میں اپنی تصنیف اقبال کو دوبارہ شائع کرایا۔ اس تصنیف کو بہت پسند کیا گیا اور جلد ہی اس کی جلدیں فروخت ہو گئیں۔ اس کے بعد اس کی تیسری اشاعت ۱۹۷۹ء میں ہوئی۔ یہاں جس تصنیف سے استفادہ کیا گیا ہے۔ وہ طبع چہارم ہے جسے اقبال اکادمی پاکستان، لاہور نے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا ہے۔ یہ تصنیف

۵۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی فہرست درج ذیل ہے۔

معروضات از رفیع الدین
دیباچہ از مرتب
مقدمہ از مرتب
متن ''اقبال''، طبع دوم
باب اوّل: کلام اقبال
باب دوم: مضامین کلام
باب سوم: طرزِ بیان
اختلاف نسخ، تعلیقات وحواشی
چند توضیحات از رفیع الدین

''معروضات'' میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے مولوی احمد دین کی کتاب ''اقبال'' کو شائع کرنے کے بعد پھر خود جلا کر راکھ کر دینے کو تاریخِ ادب کا ایک انوکھا واقعہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے مولوی احمد دین بی۔اے اور علامہ اقبال دونوں کی مشترکہ قدروں کی نشان دہی کی ہے جیسے پیشہ کے لحاظ سے وکالت، بازار حکیماں کی ادبی مجالس میں شرکت، انجمن کشمیری مسلمانان اور انجمن حمایت اسلام میں دونوں کے لگاؤ کو نمایاں کیا گیا ہے۔ یہاں ان دونو ں کی بے تکلف دوستی کے جذبات کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ ''اقبال'' تصنیف کی مختلف اشاعتوں، طبع دوم کے کچھ الفاظ کی غلط املا کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے جہاں تصنیف ''اقبال'' کی اشاعت کے مختلف مراحل، مشفق خواجہ کے ''اقبال'' طبع اول کو دریافت قرار دیا ہے اور اس کے متن کو اقبالیات میں خاص اہمیت دی ہے وہاں انھوں نے احمد دین اور علامہ اقبال کی بے تکلف دوستی کے پس منظر کو بھی نمایاں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> جب مولوی احمد دین کو اقبال کی شاعری پر کچھ لکھنے کا خیال پیدا ہوا تو اس میں اقبال کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف اور ایک عزیز دوست کی قدر افزائی (احمد دین عمر میں اقبال سے بڑے تھے) کے ساتھ ندرتِ خیال، کا ایک پہلو بھی تھا، کیوں کہ اقبال کی شخصیت اور شاعری پر اردو میں ابھی تک کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی تھی......اس کی اشاعت عام سے پہلے ہی، جب انھیں پتہ چلا کہ اقبال نے اس بات کو ناپسند کیا ہے، تو ان کا سارا ذوق وشوق بجھ کر رہ گیا۔ انھوں نے بصد رنج و افسوس، کتاب کے تمام نسخے جلا ڈالے۔ یہ ایک مثال تھی دوست داری اور وضع داری کی۔ مولوی احمد دین نے گھر پھونک تماشا دیکھنا گوارا کیا مگر انھیں اپنے عزیز دوست کی خفیف سی ناپسندیدگی منظور نہ تھی۔ [۱۳]

دیباچہ میں مشفق خواجہ نے کتاب کی طباعت کے مختلف مراحل کو بیان کیا ہے۔طبع دوم میں جو تبدیلیاں کی گئیں اور زیرِ نظر متن کی تیاری میں جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔مقدمہ میں خواجہ صاحب نے تحقیقی وتنقیدی انداز اپنایا ہے جس سے مولوی احمد دین کی سوانح اور اُن کی ادبی خدمات کی نشان دہی ہوتی ہے۔اُن کی تصانیف میں دس سوانح عمریاں ہیں، چار مختلف تاریخی موضوعات پر ہیں، دو ناولوں کے تراجم ہیں اور چار کتابیں ادبی تنقید،لسانیات، اسلامیات اور فلکیات سے متعلق ہیں۔

باب اول کا عنوان ''کلامِ اقبال'' ہے۔اس میں اقبال کی ذہنی نشو ونما کن حالات میں تغیر پذیر ہوئی اور شاعری پر مختلف ادوار کے اثرات کو انتہائی خوب صورت انداز میں نمایاں کیا گیا ہے۔اس باب کا آغاز 'انجمن مشاعرہ اور اقبال' سے ہوتا ہے جس میں بازار حکیماں میں اقبال کی ابتدائی محفل میں شاعری کے انداز کی طرف اشارہ ملتا ہے اور حلقۂ احبابِ اقبال کی بھی نشان دہی ہوتی ہے۔یہاں علامہ کی تصنیف ''بانگ درا'' کی مختلف نظموں کو تین ادوار کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔دورِ اوّل میں ''نالہ یتیم''، ''ایک یتیم کا خطاب ہلالِ عید کو''اور''ابر گہر بار یا فریادِ اُمّت'' کی اہمیت کو احمد دین نے اجاگر کیا ہے۔یہ وہ نظمیں ہیں جن کو اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں سب سے پہلے پڑھا اور لوگوں پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور لوگوں میں زیادہ سے زیادہ اقبال کے کلام کو سننے کا تجسس پیدا ہوگیا۔مولوی احمد دین''نالہ یتیم'' کا تعارف اس طرح کراتے ہیں کہ:

> ''نالۂ یتیم''، پہلی نظم تھی جو اقبال نے ہزاروں کے ایک مجمع کثیر میں پڑھی۔حُسنِ اتفاق ہے کہ اقبال جو اسلام اور اسلامیوں کا گرویدہ اور دلدادہ ہے، اپنی شاعرانہ زندگی کی ابتدا (ابتدا اس لیے کہ 'نالۂ یتیم' جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں، پہلی نظم تھی جو اقبال نے ایک کثیر مجمع میں پڑھی) 'نالۂ یتیم' سے ہی کرتا ہے۔[۱۴]

اگرچہ ان تینوں نظموں کو''بانگ درا'' میں علامہ اقبال نے شائع نہیں کیا، لیکن یہ وہی منظومات ہیں جو انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاسوں میں پڑھی گئیں اور اقبال کی شہرت کا باعث ثابت ہوئیں۔یہاں علامہ کا انداز بیان سیدھے سادے الفاظ اور بندشوں میں نمایاں ہوتا ہے۔رسولِ عربی ﷺ کا عشق اور قومی درد سے سرشار اشعار کہے گئے۔احمد دین نے اقبال کی مختصر حالات زندگی پر بھی نظر ثانی کی ہے جس میں تعلیم و تربیت کے اثرات اور مذہبی جذبات کے ابھارنے میں تعلیمی درسگاہ کا بھی ذکر خاص ہے۔اقبال کے کلام کی ایک منظّم طریقے سے آگاہی میں رسالہ''مخزن'' کو بھی سراہا گیا ہے۔اس کے بعد اقبال کی شعری منظومات 'گلِ رنگین'، کوہ ہمالہ، ستارہ صبح، آفتاب صبح، چاند، پروانہ اور بچہ، موج دریا، کنارے راوی، جگنو، بزمِ جہاں، ایک مکڑا اور مکھی، خفتگانِ خاک سے استفسار، پہاڑ اور گلہری، گائے اور بکری، ماں کا خواب اور بچّے کی دُعا، پرندے کی فریاد، محبت رسول ﷺ اور الفت اسلام، صدائے درد، ایک آرزو، کنج

تنہائی، تصویر درد، ترانہ ہندی اور ہندوستانی بچّوں کا گیت وغیرہ جیسی نظموں کو اُس دور کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ مولوی احمد دین نے یہاں ایک ناقدانہ انداز فکر اپنایا ہے۔ انھوں نے اقبال کی شاعری میں ابتدائی مراحل کی نشان دہی کی ہے جیسے غزلیات میں عشق کی گرمی، ناز و نیاز، حسن کی شوخی اور پرانے طرز کی عشق و محبت کی روایت کو پیش کیا ہے، لیکن ساتھ ہی تصّوف کی آمیزش اور حکمت کی صورت گری کو بھی نمایاں کیا ہے۔

ستمبر ۱۹۰۵ء میں اقبال یورپ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس دور میں اقبال کی شعری معنویت میں وطنیت کا خاتمہ ہو گیا۔ انھوں نے انگلستان، فرانس اور جرمنی کے سفر کیے جس سے اُن کی شاعری میں اسلامی عقاید میں وسیع پختگی قایم ہوئی اور ملکی سطح سے ملّی نقطۂ نظر میں وسعت پیدا ہوئی۔ قیام یورپ کا دور علامہ کی شاعری کا دوسرا دور کہلاتا ہے جس میں اقبال کی ذہنی کیفیات میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انھوں نے ترکِ شاعری کا ارادہ بھی کر لیا۔ مولوی احمد دین یورپ اور سعی عمل، ایشیا اور سکون میں اقبال کے تاثرات کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میدانِ عمل میں فرنگستان کی دوڑ دھُوپ اور حالاتِ حاضرہ کی زبردست قوتِ تاثیر نے اقبال کے دردمند دل میں ہیجان پیدا کیا، اور ان کے حکمت پروردہ دماغ کو ایک نئے سلسلۂ جستجو میں سرگرداں کر دیا۔ اقبال نے دیکھا کہ یوروپ مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک زندگی کی تگ و دو میں منہمک ہے............وہ دیکھتا تھا کہ ایشیا والوں کی بزم آرائیاں ان کی تباہی اور خرابی کا باعث ہو رہی ہیں۔ ساقی اور شاعر، ایشیا میں عیش و عشرت کے مصاحب ہیں اور سکون و جمود کے ندیم۔ [۱۵]

اقبال یورپ کے مشاہدات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے ترکِ شاعری کا ارادہ کر لیا کیوں کہ وہاں بچّے سے لے کر بوڑھے تک سب لوگ دنیاوی مادیت پرستی میں گم تھے۔ شاید اقبال نے پہلے یہی سمجھا کہ ترقی صرف اور صرف دنیا کمانے میں ہی ہے اور سخن وری کا مشغلہ تو فضول ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہاں مدیر ''مخزن'' سر شیخ عبدالقادر اور علامہ کے استاد پروفیسر آرنلڈ کی تائید سے ترک شاعری کا ارادہ فسخ ہو گیا اور اس کے بعد اقبال کی شعری معنویت میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ احمد دین کے نزدیک: ''شعر و اشعار پھر ہونے لگے، لیکن مغربی روشنی میں ان کا رنگ ضرور بدل گیا۔'' [۱۶]

شاعر مشرق کے نکتہ نگاہ میں تغّیرات کی بدولت وسعت ہوئی۔ دور اوّل میں زندگی میں جو تڑپ تھی اب اس میں پیش قدمی اور رواداری کے اثرات پیدا ہوئے۔ اس کے ساتھ شعری انداز فکر میں صبح و شام، لالہ و گل، چاند و سورج، تاروں، ستاروں، بحر اور ندی کے پس منظر میں حقیقت پسندی کے جلوے نمایاں ہونے لگے۔ دور دوم میں اقبال کے تاثرات میں نئی لہر دوڑ گئی۔ یہاں حقیقت حسن، شباب، نوائے غم و موت اور آفرینشِ محبت کی کیفیات کی خوب ترویج ہوئی۔ اقبال کے یہاں عشق و محبت میں فطرت گری

اور وطنیت سے ملّت گری کی طرف رجحان زیادہ بڑھا۔ یورپی تہذیب وتمدن نے اقبال کے ذہنی رویوں کی خوب آبیاری کی۔ اُن کے نزدیک وہاں کی شان وشوکت، عیش وعشرت اور تمکنت زیادہ دیر پا نہیں ہے۔ مادیت پرستی اور نفس پرستی معاشرتی اقدار وروایات میں تغیّرات کو فروغ دیتی ہے۔ جس سے دوسری تہذیبوں پر بھی برے اثرات پڑتے ہیں، ان کے ایوانوں میں آزادی، مساوات اور اخوت صرف اور صرف دوسروں کو بیوقوف بنانے کے لیے ہیں۔ اقبال کے قیام یورپ میں ان کے سیاسی خیالات کی ترویج ہوئی اور وطنیت سے زیادہ ملّی افکار بھی ابھرے۔ یورپ کی تہذیب اور سیاسیات میں تضاد کی کیفیت ہے جسے اقبال نے بھی محسوس کیا۔ اس ضمن میں مولوی احمد دین لکھتے ہیں:

> وہ دیکھتا تھا کہ فرنگستان میں آزادی، مساوات اور اخوت انقلاب فرانسویہ کے نام لیوا تو ضرور ہیں مگر تہذیب حاضرہ میں ان کا مفہوم کچھ نرالہ ہی ہے۔ یہ اصطلاحات ہیں جو نادانوں کو پھسلانے کے لیے استعمال ہو رہی ہیں۔ قومیت، مذہب اور رنگ، ان کے معنوں پر متصرف ہیں اور حسب حالات مختلفہ، ان کے مختلف معانی پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ جمہوریت کے پردوں میں قیصریت کے گیت گائے جا رہے ہیں۔ [۱۷]

اقبال کسی صورت بھی فرنگستان کی بُو دو باش کے قائل نہیں تھے۔ وہ اُن کی معاشرت، تہذیب وتمدن، مادیت پرست رویوں اور سیاسی صورت حال سے گریزاں تھے۔ وہ تو محبتِ نوع انسانی اور زندگی کی نمود کا اصل شریعت اسلامی کی پیروی میں ہی گامزن سمجھتے تھے۔ ان کے دوسرے دور کی نظمیں فرنگستان کی آب و ہوا میں پروان چڑھی ہیں۔ یہاں اقبال کے اسلامی نکتہ نگاہ میں وسعت پیدا ہوگئی اور جب وہ وطن واپس آئے تو انھوں نے اپنے شعری انداز میں ایک نیا جلوہ پیش کیا۔ دور سوم میں اقبال فطرت کے زیادہ قریب ہو گئے اور اُن کے خیال میں مادہ پرستی میں سچی محبت وخوشی، حقیقی ترقی، مسرت آدم اور روحانی زندگی کے لوازمات کار فرما نہیں ہیں۔ اس دور میں علامہ نے نورِ توحید، صفاتِ مسلم، خودی، ربطِ ملت، وطنیت، جمعیّت، ترانۂ ملّی، شکوہ، جواب شکوہ، شمع وشاعر، خضر راہ، طلوع اسلام وغیرہ نظموں کو پیش کیا۔ مولوی احمد دین نے بھی ان منظومات کو بڑے احسن انداز میں تشریح وتوضیح کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جس سے احمد دین کی اقبال کے کلام کے ساتھ انس وعقیدت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اقبال کے شعری انداز میں جو نمایاں تغیر پیدا ہوا، ان کے درج ذیل اشعار اس کی غمازی کرتے ہیں:

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا [۱۸]

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نُوری ہے نہ ناری ہے [۱۹]

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں [۲۰]

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی [۲۱]

مضامین کلام میں احمد دین نے علامہ اقبال کے ساتھ اردو ادب کے دوسرے شعرا کا بھی ذکر کیا ہے۔اس کے شروع میں محمد حسین آزاد کی تصنیف آب حیات سے اقتباس شامل کیا گیا ہے جس میں اردو نظم سے عاشقانہ مضامین کے ساتھ دوسرے مضامین کی طرف ادیبوں کی توجہ مرکوز کی گئی ہے کہ وہ مشرقی و مغربی علوم کی آمیزش کے ساتھ اپنے مضامین کو پیش کرے۔احمد دین نے یہاں حالیؔ، اکبر اور اقبال کے نظریات کو پیش کیا ہے اور اقبال ہی وہ شاعر ہیں جو مشرق و مغرب کے تناظر میں اپنے خیالات کی بھر پور عکاسی کرتے ہیں۔احمد دین کے نزدیک حالی کے شعری تاثر میں ماضی، اکبر کے ہاں حال اور اقبال کو مستقبل کا کارفرما تصور کیا ہے۔اقبال کے بارے میں محمد تراب علی خاں باز نقل کرتے ہیں:

وہ مستقبل اور شاندار مستقبل، عقیدت کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور اپنے مدہوش اور گم کردہ راہ بھائیوں کو اس مستقبل کے جلوے دکھا کر اور تہذیب نو کی نظر فریبیوں سے ہٹا کر اسلام کی شاہرہ پر لے چلنے پر مصر ہے۔ [۲۲]

احمد دین نے اقبال کے فلسفہ خودی پر بحث کی ہے اور ان کو صحیح معنوں میں تلمیذ الرحمٰن کے طور پر پیش کیا ہے۔انھوں نے کلام اقبال کی اصل روح پیغامِ عمل میں مرکوز بتائی ہے۔اس کے علاوہ مذہب، اخلاقیات، سیاسیات، تہذیب نو، تصوّف، فلسفہ، وطنیت، عجمیت اور پان اسلام ازم یا اتحاد سیاسیہ ملّیہ جیسے موضوعات کو نہایت خوب صورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔کتاب کا تیسرا حصہ ''طرز بیان'' کے عنوان سے ہے۔اس میں اقبال کے طرز بیان کو مولوی احمد دین نے مختلف موضوعات کے ذریعے واضح کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے۔ان موضوعات میں حسن و عشق کی زبان، خیال بندی، غالبیت، شوکتِ بیان، سوز و گداز، تشبیہات اور استعارات، جوش، طرفگی بیان، امید، ارضی مناظر سے استدلال، سماوی مشاہدات سے سبق، واقعہ نگاری تمسخرانہ لہجے میں، واقعہ نگاری متانت کے رنگ میں، مناظر قدرت کی تصویریں، جذبات کی عکاسی دوسروں کے رنگ میں، اردو اور اہلِ پنجاب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ان تمام موضوعات کو احمد دین نے اقبال کے شعری کلام کے ذریعے نمایاں کیا ہے جس سے علامہ کا طرز بیان کھل کر سامنے آتا ہے۔تیسرے باب کے بعد اختلاف نسخ، تعلیقات و حواشی کی ایک طویل فہرست شامل کی گئی ہے۔کتاب کے آخر میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی چند توضیحات کو شامل کیا گیا ہے۔بہر حال مولوی احمد دین کی یہ کاوش اقبال کے حوالے سے بہت اہمیت کی حامل ہے اور اقبال شناسی میں نمایاں کردار کی پیش خیمہ بھی ثابت ہوئی ہے۔مولوی احمد دین ایک اقبال شناس، اقبال کے قریبی محسن تھے۔انھوں نے نہ صرف اقبال پر اردو میں

سب سے پہلے کلام اقبال کی ترویج میں کتاب لکھی بل کہ دوسرے موضوعات پر بھی کتابیں لکھیں جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔مولوی احمد دین ایسے نابغہ کی ادبی خدمات کا اعتراف کرنا اور انہیں ادبی تاریخ میں جائز مقام دینا علمی و ادبی دنیا کی ذمہ داری ہے۔ایسا کر کے ہم صحیح معنوں میں اپنے اسلاف کے کارناموں سے نژادنو کو آگاہ کر سکیں گے۔ایسا کرنا ہماری ادبی دیانتداری کا تقاضا بھی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱- محمد دین فوق نے اپنی تصنیف اقوام کشمیر میں ''لون'' قوم کے بارے میں بیان کیا ہے۔دیکھیے جلد دوم، ۱۹۳۴ء،ص۴۸۲

۲- مشفق خواجہ: مقدمہ، مشمولہ اقبال، مولوی احمد دین، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع چہارم، ۲۰۰۶ء،ص ۲۸-۲۹

۳- ماہنامہ مخزن، جلد۱، شمارہ۱، لاہور، اپریل ۱۹۰۱ء،ص ۸

۴- اردو کے ایک عظیم انشا پرداز، ان کی تصنیف آب حیات اردو میں تنقیدی کتب میں اہم مقام کی حامل ہے۔

۵- حکیم احمد شجاع: لاہور کا چیلسی، مشمولہ، رسالہ نقوش، لاہور، جنوری ۱۹۶۶ء،ص ۱۳

۶- مولوی احمد دین: اقبال، مرتبہ مشفق خواجہ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع چہارم، ۲۰۰۶ء،ص ۱۱۰

۷- مشفق خواجہ: مقدمہ، اقبال،ص ۳۶

۸- ایضاً،ص ۴۰-۴۱

۹- ایضاً،ص ۵۰

۱۰- ایضاً،ص ۳۹-۴۰

۱۱- ایضاً،ص ۵۳تا۵۵

۱۲- ایضاً،ص ۳۵

۱۳- ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی: معروضات، مشمولہ، اقبال،ص ۹

۱۴- مولوی احمد دین: اقبال،ص ۱۱۳

۱۵- ایضاً،ص ۱۴۳

۱۶- ایضاً،ص ۱۴۴

۱۷- ایضاً،ص ۱۵۱

۱۸- علامہ محمد اقبال: کلیاتِ اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع دوازدہم، ۲۰۱۸ء،ص ۳۰۰

۱۹- ایضاً،ص ۳۰۵

۲۰- ایضاً،ص ۲۱۷

۲۱- ایضاً،ص ۲۸۷

۲۲- محمد تراب علی خاں باز: تنقیدات عبدالحق، دکن: حیدرآباد دکن، طبع اوّل، ۱۹۳۴ء،ص ۱۵۴